بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

گزشتہ ترجمان میں ہم "حقوق نسواں کمیٹی" کی رپورٹ پر دفعہ ۶۹ تک اپنا تبصرہ پیش کر چکے ہیں۔ ہماری آخری گزارش یہ تھی کہ طلاق یا تفریق کی صورت میں چھوٹے بچوں کی پرورش اور حق حضانت کے مقدمات میں فحش کاری اور بدکاری کے جو جھوٹے الزامات فریقین ایک دوسرے کے خلاف عائد کرتے ہیں ان کے انسداد کے لیے اوّلین چارۂ کار تو یہ تھا کہ ان الزامات کے غلط یا صحیح ثابت ہونے پر حدود شرعیہ کا نفاذ عدالتوں کے ذریعے سے ہوتا۔ لیکن جب تک پاکستان میں وہ روز سعید طلوع نہیں ہوتا، اس وقت تک ہمارے نزدیک مناسب یہ ہے کہ حضانت کے مقدمات میں کسی فریق کو یہ اجازت نہ دی جائے کہ وہ زنا اور بدکاری کے الزامات فریق مقابل کے خلاف عائد کرے۔ اس سلسلے میں کمیٹی کی بحث پڑھ کر یہ گمان ہوتا ہے کہ ارکان کمیٹی کے خیال میں اولادِ صغار کے لیے والدہ کا حق حضانت ساقط کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ عورت کو بدچلن اور بدکردار ثابت کیا جائے اور اس کی پاکدامنی کو متہم کیا جائے۔ کمیٹی نے اس سلسلہ میں "ولیان و نابالغان ایکٹ ۱۸۹۰ء" کا حوالہ دیا ہے۔ ہم نے اس ایکٹ کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ ہماری رائے کے مطابق اس ایکٹ کی رُو سے یہ لازم نہیں ہے کہ عورت کو حق حضانت سے محروم کرنے کے لیے اسے ضرور ہی بدکار اور بدچلن ثابت کیا جائے۔ اس ایکٹ کی دفعہ ۳۹ میں وہ وجوہ بیان کر دیے گئے ہیں جن کی بنا پر ایک عورت کا یہ حق ساقط کیا جاسکتا ہے۔ وہ وجوہ درج ذیل ہیں:

۱۔ عورت بچوں سے بدسلوکی کرے یا اُن کی مناسب حفاظت و تربیت میں غفلت برتے۔

۲۔ وہ کسی ایسے جرم میں سزا یافتہ ہو جو عدالت کی نگاہ میں ایسے اخلاقی عیب پر مبنی ہو جو اُسے بچوں کی نگرانی کے لیے نااہل بنا دے۔

۳۔ اُسے ایسے مشاغل سے دلچسپی وابستگی ہو کہ وہ بچوں کی کما حقہٗ دیکھ بھال نہ کر سکے۔

اس ایکٹ کی دفعہ ۱۴ میں حقِ حضانت کے خاتمے کی ایک مزید وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ:

"عورت کسی ایسے مرد سے نکاحِ ثانی کرلے جو نابالغ بچی کا ولی نہ بن سکتا ہو یا عدالت کی رائے میں وہ ولایت کے لیے غیر موزوں ہو۔"

ہمارے فقہائے کرام نے قرآن وحدیث کی روشنی میں والدہ کا حقِ حضانت ساقط ہونے کے جو اسباب بیان فرمائے ہیں وہ مختصراً یہ ہیں کہ یا تو ماں کسی ایسے شخص سے نکاح کرلے جو اولاد کے لیے غیر محرم ہو یا والدہ ایسے فسق وفجور میں مبتلا ہوجائے جو اولاد کے اخلاق وعادات پر برا اثر ڈالے۔ فسق وفجور سے مراد لازماً بدکاری یا سنگین قسم کی بداخلاقی نہیں۔ بلکہ شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی اور عدم اطاعت پر بھی فسق کا اطلاق ہو سکتا ہے، مثلاً ترکِ صوم وصلوٰۃ یا بے پردگی وغیرہ۔ پھر فقہاء نے یہ تصریح بھی کردی ہے کہ اولاد اگر بالکل کم سن ہو اور اس میں اتنا شعور وتمیز پیدا نہ ہوسکا ہو کہ وہ والدہ کے عادات واطوار سے اثر پذیر ہو تو ایسی حالت میں والدہ کا فسق حقِ حضانت میں مانع نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر والد کی اخلاقی حالت بھی والدہ سے بہتر نہیں ہے، مثلاً وہ بھی نماز روزے کا پابند نہیں تو والد کو والدہ پر کوئی حقِ ترجیح حاصل نہ ہوگا۔ والدہ اگر اولاد کو کسی ایسے دُور دراز مقام پر لے جائے جہاں تک والد کے لیے وقتاً فوقتاً جاکر بچوں سے ملاقات اور پرسشِ احوال دشوار ہو تب بھی والدہ کا حقِ حضانت ختم کیا جاسکتا ہے۔ اس مختصر بحث سے یہ امر اچھی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ حقِ حضانت کے اثبات وعدم اثبات کے متعدد وجوہ رائج الوقت قانون اور شرعی قانون میں بھی موجود ہیں جن کو بنیاد بنا کر فریقین اپنے اپنے حق کی فوقیت ثابت کرنے کی کوشش کرسکتے ہیں اور عدالت انہی کو سامنے رکھ کر کسی ایک فریق کے حق میں یا اس کے خلاف فیصلہ دے سکتی ہے۔ اسی لیے ہمارا یہ پُرزور مشورہ ہے کہ فریقین کو ایسے مقدمات میں گھناؤنے اخلاقی الزامات عائد کرنے سے قانوناً روکا جائے۔

رپورٹ کی دفعہ ۷۰ سے لے کر دفعہ ۸۳ تک عیسائیوں اور غیر مسلموں کے قوانینِ نکاح وطلاق پر بحث کی گئی ہے۔ ان دفعات کے متعلق بہتر رائے ان مذاہب کے پیرو ہی دے سکتے ہیں۔ البتہ ہم یہ امر واضح کردینا ضروری سمجھتے ہیں کہ نکاح وطلاق یا نفقہ وحضانت کا جو معاملہ یا تنازعہ مسلمان شوہر اور کتابیہ عورت کے مابین ہو اس پر فیصلہ قانونِ شریعت کے مطابق ہونا لازم ہے اور مسلمان عورت کسی حال میں بھی غیر مسلم کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔

دفعہ ۸۴، ۸۵، ۸۶ میں یہ سفارش کی گئی ہے کہ جس عورت کی جبراً آبروریزی کی گئی ہو، اُسے مجرم سے مالی معاوضہ دلایا جائے۔ رپورٹ کی تجویز جو دفعہ ۸۶ میں درج ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"مجموعۂ ضابطۂ فوجداری کی دفعہ ۵۴۴ الف میں مناسب ترمیم کی جائے تاکہ زنا بالجبر یا عورت کی بے حرمتی کرنے کے جُرم کے لیے کسی شخص کو سزا دینے والی عدالت اس عورت کو معقول معاوضہ دلا سکے جس کی نسبت (؟) ارتکاب جرم ہوا ہو۔"

ہم اس بات کو پہلے واضح کر چکے ہیں اور یہاں اُسی کو دہرائیں گے کہ زنا بالجبر ہو یا بالرضا اس کی سزا اسلام نے سَو دُرّے یا سنگساری مقرر کی ہے[1]۔ اسلام نے قتل اور قصاص کی بعض صورتوں میں تو مالی دیت مقرر کی ہے لیکن عورت کی عصمت و آبرو کا نہ کوئی مالی و مادّی بدل ہو سکتا ہے، نہ اسلام میں اس کا کوئی تصور پایا جاتا ہے۔ جس ظالم و بے شرم مرد نے عورت کا دامنِ عفت پارہ پارہ کیا ہے، کون غیرت مند مسلمان خاتون اُس سے مالی معاوضے کی خواہاں ہو گی؟ یہ مغربی تہذیب کا دیوثانہ نظریہ ہے جس میں خاوند کو بھی اس کی بیوی پر دست درازی کرنے والے سے ہرجانہ دلوایا جاتا ہے جو بھڑوؤں اور کٹنوں کا ذریعہ معاش ہوتا ہے! اب مسلمان مردوں اور عورتوں کو یہی سبق پڑھایا جا رہا ہے اور ان کے لیے قانونی وسیلہ فراہم کیا جا رہا ہے کہ وہ بھی چاہیں تو عصمت کا معاوضہ عدالتوں کے ذریعے سے وصول کر لیں۔ اسلامی شریعت اس طرح کے تصوّرات سے سخت اِبا کرتی ہے۔ بخاری و مسلم میں متفق علیہ حدیث نبوی موجود ہے کہ ایک شخص کا لڑکا ایک دوسرے شخص کے ہاں ملازم تھا۔ اس لڑکے نے اس دوسرے شخص کی بیوی سے زنا کا ارتکاب کیا۔ لڑکے کے والد نے فدیہ کے طور پر سَو بکریاں اور ایک لونڈی دوسرے شخص کے حوالے کر دیں اور پھر وہی والد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا واقعہ بیان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، میں تمہارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ یہ سَو بکریاں اور لونڈی جو تو نے دی ہے یہ تیری طرف واپس لوٹائی جاتی ہیں اور تیرے لڑکے کو سَو کوڑے لگائے جائیں گے۔"

یہ سو بکریاں اور ایک لونڈی وہی "مالی معاوضہ" تو ہے جسے زانی یا اس کے والد کی طرف سے از خود رضاکارانہ طور پر پیش کیا گیا تھا۔ مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ردّ فرما کر واپس کرا دیا۔ اسی مالی معاوضے کی تجویز اب "حقوق نسواں کمیٹی" کی طرف سے دوبارہ لائی جا رہی ہے اور کہا جا رہا ہے کہ جو عورت

[1] مجبور عورت پر سزا نہیں ہے۔ سزا جبراً زنا کرنے والے پر واجب ہے۔

ارتکابِ جرم کا شکار ہوئی ہے عدالت اسے "معقول معاوضہ" دلائے۔

اس کے بعد دفعہ ۸۷ سے لے کر دفعہ ۹۲ تک رپورٹ میں جو بحث کی گئی ہے اس کا مقصود و مدعا یہ ہے کہ پاکستان میں ہر طرح سے غیر مشروط اور بلا روک ٹوک اسقاطِ حمل کا قانونی دروازہ چوپٹ کھول دیا جائے۔ رپورٹ کی دفعہ ۸۹ کے بقول:

"اکثر صورتوں میں شادی شدہ عورت جملہ احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے باوجود حاملہ ہونے سے بچنے سے قاصر رہتی ہے۔ ہمارے قانونی نظام کے تحت اسقاطِ حمل جائز نہیں ماسوائے جبکہ یہ عورت کی زندگی بچانے کے لیے نیک نیتی سے کیا گیا ہو۔ یہ عام احساس پایا جاتا ہے کہ اسقاطِ حمل کو قانونی طور پر جائز قرار دیا جائے کیونکہ تمام دنیا میں عورتوں کی طرف سے ایسا ہی مطالبہ پیش کیا جا رہا ہے"۔

ان الفاظ کو آپ ذرا غور سے پڑھیے اور بار بار پڑھیے کہ ان میں کس جرأت و جسارت کے ساتھ خلافِ واقعہ، خلافِ اخلاق اور خلافِ اسلام دعاوی اور مزعومات کو پیش کیا گیا ہے۔ اس کمیٹی نے سب سے پہلے تو یہ فرض کر لیا ہے کہ عورت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ جو اسے گھر سے باہر نکلنے اور معاش تلاش کرنے میں مانع ہے وہ بچوں کی پیدائش ہے۔ ان بچوں کی مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے عورت ہر جتن کرتی ہے۔ شادی نہیں کرتی یا کرتی ہے تو اس میں تاخیر سے کام لیتی ہے۔ شادی ہو جائے تو وہ ہر ممکن تدبیر کرتی ہے کہ بچوں سے بچے۔ مانع حمل ادویات و آلات استعمال کرتی ہے، خاوند کی نس بندی کراتی ہے۔ لیکن ان ساری رکاوٹوں کے باوجود بچے ہیں کہ وہ بن بلائے مہمان کی طرح چلے آ رہے ہیں۔ اس لیے آخری چارۂ کار جو کمیٹی کے نزدیک باقی رہ گیا ہے وہ یہ ہے کہ بچوں کی پیدائش سے پہلے ہی حمل کا اسقاط کر دیا جائے۔ لیکن اس راہ میں جو دشواری سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ کافر اور کرنٹے جو قانون بنا کر چھوڑ گئے ہیں اس میں تو حمل گرانا بڑا جرم ہے الّا یہ کہ حاملہ کی جان بچانے کے لیے نیک نیتی سے اسقاطِ حمل ہو، اس لیے اب اسقاط کو علی الاطلاق جائز ہونا چاہیے۔ کیونکہ تمام دنیا کی عورتیں یہی مطالبہ کر رہی ہیں! اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ دنیا کی عورتیں جو مطالبے کر رہی ہیں رفتہ رفتہ وہ سب یہاں اس دلیل سے درآمد کیے جائیں گے کہ دنیا میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔

کاش کہ یہ کمیٹی اور اس کے ارکان ایسی تجاویز پیش کرنے سے پہلے کچھ تو غور کرتے۔ ہم کہنے کو تو بہت کچھ کہہ سکتے ہیں مگر اس طرح بات بڑھ جائے گی، اس لیے ہم صرف یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ تمام دنیا نہیں، آپ صرف اپنے ملک یا دنیا کے کسی ایک ملک کے متعلق ہی بتا دیں کہ اس کی عورتوں نے کس روز کس مقام پر یہ مطالبہ کیا ہے کہ اسقاطِ حمل کو مطلقاً از روئے قانون جائز قرار دیا جائے اور کیا دنیا میں کوئی ایک ملک بھی ایسا ہے جس نے کھلم کھلا اس فعل کو قانونی جواز دے رکھا ہے؟ ہمارے علم میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے۔ تو کیا آپ پاکستان کو اس معاملہ میں شرفِ اوّلیت بخشنا چاہتے ہیں کہ وہ سب سے پہلے اسقاطِ حمل کے مسئلے میں اسلامی اخلاقی حدود کو پامال کرے؟ فرض کیا کہ کوئی ملک ایسا قانون بنا ہی دیتا ہے یا کسی ملک کی کچھ عورتیں ایسا مطالبہ کر بھی دیتی ہیں تو کیا وہ مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے قابلِ اتباع اور لائقِ تقلید بن جائے گا؟ ابھی تھوڑا عرصہ گذرا کہ اخبارات میں یہ خبر نگاہ سے گزری کہ کچھ شرم و حیا سے عاری عورتوں نے امریکہ میں حرامی بچوں کے لیے تمام وہی قانونی حقوق مانگے ہیں جو جائز اولاد کے لیے مختص ہیں۔ کیا آپ کو اس مطالبے سے بھی اتفاق ہے؟ آپ نے رپورٹ پریس کو دیتے وقت تو یہ کہا کہ آپ کتاب و سنت کو سامنے رکھیں گے لیکن اب "تان یہاں آکر ٹوٹی کہ دنیا کی عورتیں چونکہ اسقاطِ حمل کا غیر محدود قانونی جواز مانگتی ہیں، اس لیے اب وقت آگیا ہے کہ یہاں بھی ایسا ہی ہو۔

کمیٹی نے جو مطالبہ پیش کیا ہے اس کی لغویت کا احساس خود کمیٹی کو بھی ہے۔ چنانچہ دفعہ ۹ میں اس کا اعتراف یوں کیا گیا ہے:

"کمیٹی نے اس سوال پر غور کیا ہے اور وہ اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ اگرچہ پاکستان جیسے ملک میں اس مطالبے کو منظور کرنا ممکن نہیں لیکن پھر بھی اسقاطِ حمل کے جرم کی وسعت کو کم کرنے کے کافی وجوہ موجود ہیں۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ عملی طور پر نااہل معالجوں اور نیم تربیت یافتہ دائیوں کو بھاری رقوم ادا کر کے غیر قانونی اسقاطِ حمل کرائے جاتے ہیں۔ ایسی صورتوں میں اسقاطِ حمل غیر مفید صحت حالات میں کرایا جاتا ہے جو یا تو عورت کے لیے مہلک ثابت ہوتا ہے یا اس کی صحت پر بُری طرح اثر انداز ہوتا ہے۔"

دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لیجیے کہ کمیٹی کے ارکان اپنے دل اور اپنی زبان سے تسلیم کر رہے ہیں کہ "پاکستان جیسے ملک" میں ان کے مطالبے کی منظوری کا امکان نہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ مطالبہ آپ کے

بقول دُنیا بھر کی عورتوں کے دل کی عین آواز ہے، اور اس دنیا میں ہمارا ملک بھی شامل ہے تو پھر مطالبے کو منظور کرنا ممکن کیوں نہ ہوگا؟ اور اگر پاکستان دنیا سے الگ تھلگ کوئی انتہائی پس ماندہ اور غیر مہذب خطہ ہے جہاں آپ کا مطالبہ قابل قبول نہیں تو پھر آپ یہاں یہ ناکام و نامحمود کوشش کیوں کر رہے ہیں؟ اور زبردستی اس غیر مشروط اسقاطِ حمل کی تجویز کو قانونی جامہ پہنانے پہ کیوں مصر ہیں؟ اقتباسِ بالا میں خط کشیدہ الفاظ سے قارئین یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ "اسقاطِ حمل کے جرم کی وسعت کو کم کرنے" سے مُراد اس فعل مذموم کی روک تھام ہے۔ نہیں، بلکہ اس جرم کی وسعت کو کم کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس فعلِ اسقاط کو جرم ہی نہ رہنے دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ جب جرم جُرم ہی نہ سمجھا جائے گا اور قانون اسے جائز کر دے گا تو جُرم کی وسعت کیا، بلکہ جرم کے وجود ہی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ مزید توضیح ارکانِ کمیٹی نے یوں کر دی کہ پھر اسقاط چھپ چھپا کر تاریک گوشوں میں اناڑی عورتیں یا مرد نہیں کریں گے بلکہ باقاعدہ مستند ڈاکٹر اور نرسیں یہ خدمت ہسپتالوں اور طبی مراکز میں علانیہ انجام دیں گی اور عورتوں کی صحت دوبالا ہو جائے گی۔ اس لاجواب طرزِ فکر و استدلال کا کیا جواب ہو سکتا ہے؟

"حقوقِ نسواں کمیٹی" کو پاکستان کی مسلم خواتین کی جسمانی صحت کے ساتھ ساتھ ان کی ذہنی اور دماغی صحت بھی بہت عزیز ہے۔ چنانچہ دفعہ ۹۱ کی درج ذیل عبارت ملاحظہ ہو:

"ایسی بہت سی صورتیں ہیں جن میں نہ صرف حاملہ عورت کی جسمانی صحت کو درپیش سنگین خطرے کا تدارک ضروری ہے بلکہ اس کی ذہنی صحت کو بھی مذکورہ خطرے سے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ ایسی صورتوں میں اسقاطِ حمل قطعی ضروری ہو سکتا ہے۔"

یہاں مزید بحث کرنے سے پیشتر ایک خاص باریک نکتہ قابلِ توجہ ہے۔ دفعہ ۸۶ جہاں سے کمیٹی نے اسقاطِ حمل والی تجویز کا آغاز کیا تھا وہاں ذکر "شادی شدہ عورت" کا تھا۔ آگے بھی دفعہ ۸۹ تک "شادی شدہ عورت" ہی کے الفاظ استعمال کیے گئے۔ مگر آخر میں دفعہ ۹۱، ۹۲ میں آ کر "شادی شدہ" کی قید اُڑا دی گئی اور فقط "حاملہ عورت اور حاملہ عورتیں" کے الفاظ باقی رہ گئے۔ اور یہ بات درحقیقت ہے بھی اٹل کہ منعِ حمل یا اسقاطِ حمل کی کوئی تحریک، کوئی تدبیر، کوئی تجویز محض شادی شدہ خواتین تک محدود نہیں رہتی، نہ رہ سکتی ہے۔ آخر کار یہ کنواری اور شوہر نہ رکھنے والی خواتین تک لازماً متجاوز ہو گی۔

بلکہ ایسی ہر تحریک و تجویز کا اصل مرکز و محور اور اصل ہدف وہی خواتین ہیں جو بن بیاہی ہیں یا جن کا شوہر مر گیا ہے یا مفقود ہے۔ یہ عقل و فطرت اور بشری طبیعت کا ایک تقاضا ہے جس کی راہ میں انسان کے گھڑے ہوئے دلائل و ضوابط حائل نہیں ہو سکتے۔ ایک دفعہ جب آپ نے قانوناً و عملاً یہ راستہ کھول دیا تو یہ کہنا بالکل لایعنی اور فضول ہے کہ اس اجازت و سہولت سے فائدہ صرف وہ عورت اُٹھائے گی جو شادی شدہ ہے، جس کے ایک یا دو بچے ہو چکے ہیں اور اب مزید بچے اُسے ذہنی کوفت و اذیت میں مبتلا کر دیں گے، اس لیے ضروری ہے کہ وہ یا تو منصوبہ بندی کرے یا اسقاط کرائے۔

ہم نے وہ سارے دلائل پڑھے اور سُنے ہیں جو ضبطِ تولید، منصوبہ بندی، نس بندی اور "وقفہ بہت ضروری ہے" وغیرہ کے حق میں دیے جاتے ہیں۔ اسقاطِ حمل کے حق میں جو کچھ آپ نے کہا یا آپ کہہ سکتے ہیں، وہ سب ہمیں معلوم ہے۔ ہم سر دست اس کے جواب میں صرف ایک بات کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اگر مسلمان خاتون کی عصمت و عفت کی کوئی قدر و قیمت آپ کی نگاہ میں ہے اور آپ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان عورت بے حیائی اور بدکاری سے محفوظ رہے تو خوفِ خدا اور محاسبۂ آخرت کے بعد ایک کنواری یا بے شوہر عورت کو جو چیز اس بُرائی میں ملوث ہونے سے روک سکتی ہے وہ ناجائز حمل و ولادت کا کھٹکا اور خوف ہے۔ جب آپ اس کھٹکے کا خاتمہ کر دیں گے اور منعِ حمل اور اسقاطِ حمل کی ساری سہولتیں قانوناً مہیا کر دیں گے تو اسلامی غیرت و عصمت کا جنازہ اُٹھنے میں دیر نہیں لگے گی۔ کیا آپ اس سے انکار کریں گے کہ مغربی معاشرے میں نسوانی عفت ایک جنس نایاب ہے اور حقیقی اعتبار سے دوشیزگی اور پاکدامنی کا وجود وہاں عنقا ہو کر رہ گیا ہے۔ آپ کے ہاں اس عمل کا آغاز ہو چکا ہے اور اب آپ اس کی رفتار تیز سے تیز تر کر دینا چاہتے ہیں۔ ایک عرصہ گذرا، یہ بات اخبارات میں آچکی ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کے محکمے میں ملازم خواتین نے ایک سابق وزیر صحت کے سامنے یہ شکایت رکھی کہ محکمے کے مرد ملازمین کے ہاتھوں ان کی آبرو محفوظ و مامون نہیں ہے اور وزیر نے اس معاملے کو زیرِ غور رکھنے کا وعدہ کیا۔ شاید یہ غور کرنا پیشِ نظر ہو گا کہ ان بے وقوف عورتوں کے دماغ سے عصمت و عفت کا خیال کیسے نکالا جائے۔

ہمارا دل اور ضمیر خون کے آنسو روتا ہے اور کسی شاعر کا شعر بار بار یاد (باقی اشارات بر صفحہ ۴۴)

(بقیہ اشارات) آتا ہے۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

عجیب عبرت انگیز منظر ہے کہ یہودی قوم جو کل تک ہر جگہ ماری کھدیڑی جا رہی تھی اور جسے فرعون قتلِ اولاد کی سزا دیتا تھا، اس نے آج تک خود قتلِ اولاد کے منصوبے پر کبھی عمل نہ کیا۔ اس کے کنبے ہمیشہ کثیر الافراد رہے۔ اسرائیل کی خالص یہودی آبادی ۱۹۴۹ء سے اب تک تگنی ہو چکی ہے۔ مسلمانوں کے بلاد و دیار پر غاصبانہ قبضہ جما کر اب وہ دنیا بھر کے گوشے گوشے سے ایک جگہ جمع ہو رہے ہیں اور ہر سال تقریباً بیس تیس ہزار کے لگ بھگ یہودی اسرائیل میں آکر متوطن ہوتے ہیں اور "وسیع تر اسرائیل" کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ اس کے مقابلے میں مسلمان جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کے وسائل سے مالا مال کیا ہے انہیں ایک طرف کہا جاتا ہے کہ روٹی، کپڑا، مکان ہم دیں گے اور دوسری طرف یہ روبا ہی سبق پڑھایا جا رہا ہے کہ اپنی تعداد کم رکھو، ورنہ بھوکے مرو گے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ (الانعام ۱۰۱) (اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں بھی رزق دیں گے اور انہیں بھی)۔

بہر کیف ساری بحث و تکرار کے بعد دفعہ ۳۱۲ میں کمیٹی اپنی تجویز یوں پیش کرتی ہے:

"کمیٹی کا خیال یہ ہے کہ مجموعۂ تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۳۱۲ میں حسب ذیل ترمیم ہونی چاہیے:

(الف) دفعہ ۳۱۲ میں دوسری مرتبہ آنے والے لفظ "عورت" کے بعد الفاظ "یا اس کی جسمانی یا ذہنی صحت کو درپیش سنگین خطرہ کے تدارک کے لیے" شامل کر دیے جائیں، اور

(ب) دفعہ ۳۱۲ میں ایک اور تشریح کا اضافہ کر دینا چاہیے جس میں یہ قرار دیا گیا ہو کہ اس دفعہ کی اغراض کے لیے ۱۲۰ دن سے کم کا جنین بچہ تصور نہیں کیا جائے گا"۔

کمیٹی کی یہ تجویز و ترمیم اور اس کے مضمرات و متضمنات اس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتے جب تک تعزیرات پاکستان کی وہ دفعہ ۳۱۲ بھی سامنے نہ ہو جس میں یہ ترمیم و تجویز کی جا رہی ہے۔ یہ دفعہ جو ایک اجنبی کافر حکومت نے مرتب کی تھی اس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"جو فرد بھی ارادۃً و عمداً کسی حاملہ عورت کا حمل گرانے کا باعث بنے گا، اگر یہ اسقاطِ حمل کا فعل

نیک نیتی کے ساتھ عورت کی جان بچانے کی غرض سے صادر نہیں ہوگا تو اُس فرد کو تین سال تک کی قید (جو ہر نوعیت کی ہوسکتی ہے) یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جائیں گی اور جو عورت خود تعمیلِ ولادت کا ارتکاب کرے گی اُسے سات سال تک کی ہر قسم کی قید کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانے کی بھی مستوجب ہوگی۔

توضیح:۔ جو عورت خود اپنا حمل گرانے کی موجب بنے گی، اس پر بھی اس دفعہ کا اطلاق ہوگا۔"

کمیٹی کی پیش کردہ ترمیم کے بعد مذکورہ بالا دفعہ کی شکل یہ بنے گی:

"جو فرد بھی ارادۃً و عملاً کسی حاملہ عورت کا حمل گرانے کا باعث بنے گا، اگر یہ اسقاطِ حمل نیک نیتی کے ساتھ اس عورت کی جان بچانے یا اس کی جسمانی یا ذہنی صحت کو درپیش سنگین خطرہ کے تدارک کے لیے نہیں ہوگا، اس فرد کو تین سال..... (الیٰ آخرہ)

ہر شخص جو سوچ سمجھ رکھتا ہے وہ بآسانی اندازہ کرسکتا ہے کہ دفعہ کی قدیم صورت جو کافر انگریز قانون سازوں نے رکھی تھی اُس کے مطابق صرف حُسنِ نیت کے ساتھ حاملہ عورت کی جان بچانے کے لیے اسقاطِ حمل کسی شخص کے لیے یا خود حاملہ کے لیے جائز ہوسکتا تھا، ورنہ اس پر تین یا سات سال کی قید اور جرمانہ کی سزا نافذ ہوتی تھی۔ ظاہر ہے کہ حاملہ کی جان بچانا ایک متعین مقصد ہے جس کی جائز صورت کا تعین بھی مشکل نہیں۔ لیکن عورت کی جسمانی صحت کے لیے سنگین خطرہ اور پھر اُس کی ذہنی صحت کو درپیش سنگین خطرہ تو ایک ایسا عجیب، مبہم اور موہوم مفروضہ ہے جس کا اطلاق حمل کی ہر ممکن صورت پر آسانی کے ساتھ ہوسکتا ہے۔ آخر کسی مرد یا کسی عورت، کسی دایہ، کسی ڈاکٹر کے پاس وہ کونسا گز ہے جس سے وہ کسی حاملہ کی ذہنی صحت اور اسے پیش آمدہ سنگین خطرے کو ناپ سکے گا۔ اور کسی قانون دان اور حاکم عدالت کے پاس کیا پیمانہ ہوگا جس کے ذریعے سے وہ فیصلہ کرے گا کہ کسی حمل کا اسقاط جسمانی یا ذہنی صحت کو درپیش سنگین خطرے کے تدارک کی خاطر ہوا ہے یا نہیں؟ حمل گرانے کے جرم کو روکنے کے لیے جو بھلا یا بُرا قانون اب تک رائج چلا آرہا تھا، کمیٹی کی یہ مجوزہ ترمیم اس قانون کی جان نکال کر (یا انگریزی محاورے کے مطابق اس کے دانت نکال کر) رکھ دے گی اور اب ہر کس و ناکس کے لیے یہ بالکل سہل ہوجائے گا کہ وہ کافروں کے نہیں، مسلمانوں کے تجویز کردہ اِس قانون کی روشنی میں ہر طرح ہر مرحلے پر حمل

کو ساقط کر سکے۔ یہ ایک طرفہ تماشا ہے کہ یہ کمیٹی ایک طرف یہ کہہ رہی ہے کہ پاکستان جیسے ملک میں اسقاطِ حمل کے مطالبے کو منظور کرنا ممکن نہیں مگر دوسری طرف وہ عملاً وہی تجویز سامنے لا رہی ہے جس سے اسقاطِ حمل کی راہ میں حائل ہر رکاوٹ ختم ہو جائے گی۔ اس پر بھی جب ارکانِ کمیٹی کا اطمینان نہیں ہو سکا تو انہوں نے اس دفعہ کی تشریح و توضیح میں یہ اضافہ بھی ضروری سمجھا کہ:

"اس دفعہ کی اغراض کے لیے ایک سو بیس دن سے کم کا جنین بچہ تصور نہیں کیا جائے گا۔"

ع قصہ کوتاہ گشت ورنہ درد سر بسیار بود۔ گویا کہ جسمانی و دماغی صحت کا قضیہ اور جھگڑا ابھی حمل پر چار ماہ گذر جانے کے بعد ہی پیدا ہوگا، اس سے پہلے جو بچہ بطنِ مادر میں ہوگا، وہ بچہ نہیں کوئی چھوڑا یا باؤ گولہ ہوگا جس کا نکال پھینکنا قانوناً جائز ہوگا اور اس پر کوئی پرسش نہیں ہوگی۔ کیا ہم کمیٹی کے ارکان سے یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ انہوں نے یہ چار ماہ سے کم کا حمل گرانے کا جواز کہاں سے اخذ کیا ہے؟ کیا قرآن یا حدیث میں اس کے لیے کوئی دلیل موجود ہے؟ ہمارے نزدیک حمل خواہ جائز ہو یا ناجائز، خواہ ایک ماہ کا ہو یا اس سے زاید ایام کا ہو، اس کا اسقاط اسلام میں ہرگز جائز نہیں ہے۔ یہ قتلِ نفس ہے جو اسلامی تعلیمات کی رُو سے روا نہیں ہے۔

صحیح مسلم اور دیگر کتبِ حدیث میں مروی ہے کہ عہدِ نبوی میں قبیلہ غامد کی ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مجھے پاک کر دیجیے یعنی مجھ پر حدِ زنا جاری فرمایئے۔ آپ نے فرمایا: بی بی جاؤ، واپس جاؤ اور اپنے رب سے مغفرت مانگو اور توبہ کرو۔ وہ کہنے لگی: کیا آپ مجھے اس طرح لوٹا دینا چاہتے ہیں جس طرح آپ نے ماعز بن مالک کو لوٹا دیا تھا (ماعز سے زنا سرزد ہو گیا تھا اور انہیں بھی آپ نے پہلی مرتبہ ٹال کر فرمایا تھا کہ شاید تم سے حالتِ جنون یا نشہ میں یہ فعل صادر ہوا ہو)۔ عورت نے مزید عرض کیا، کہ میں نے زنا کیا ہے حتیٰ کہ مجھے حمل ٹھیر گیا ہے۔ آپ نے پھر فرمایا: کیا واقعی تیری یہ حالت ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ تو آپ نے مزید فرمایا: تجھ پر حدِ زنا جاری نہیں ہو سکتی، جب تک تیرا وضعِ حمل نہ ہو جائے۔ ایک انصاری صحابی نے وضعِ حمل تک اس عورت کی کفالت اپنے ذمے لی۔ جب بچہ پیدا ہو گیا تو صحابی نے اطلاع دی کہ ولادت ہو گئی ہے۔ آنحضورؐ نے فرمایا: اب بھی ہم اسے سنگسار نہیں کریں گے کہ اس کا بچہ شیر خوار ہے، اسے دودھ کون پلائے گا؟ یہ جائے اور اپنے بچے کی رضاعت کرے

اور دُودھ چھُڑانے کے بعد آئے۔ وہ اللہ کی بندی مدّتِ شیر خوارگی گزر جانے کے بعد آئی اور یہ بتانے کے لیے کہ رضاعت ختم ہو چکی ہے بچے کو ساتھ لائی جبکہ روٹی کا ٹکڑا اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ کھا رہا تھا۔ تب اس کا بچہ ایک مسلمان کے سپرد کیا گیا اور اس عورت کو رجم کیا گیا۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے اس عورت کے حق میں کوئی نامناسب بات کہی تو آنحضورؐ نے فرمایا: اے خالد، خاموش رہ، میرے اللہ کی قسم اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر (بدعنوان) کسٹم افسر یا چونگی کا ملازم بھی ایسی توبہ کرے تو بخشا جائے۔ پھر آپ نے اس کا جنازہ پڑھا اور تدفین کرائی۔

کمیٹی کے ارکان اور قارئین اس حدیث کا بغور مطالعہ کریں۔ ایک بات جو اس ایمان افروز اور موعظت آموز حدیث سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اس عورت سے یہ نہیں پوچھا گیا کہ تجھ سے زنا کس نے کیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس جرمِ زنا میں شہادت سامنے نہیں آئی، محض ایک مجرمہ کا اعتراف ہے جو اس کے خلاف تو حجت بن سکتا ہے مگر کسی دوسرے کے خلاف ثبوت کا کام نہیں دے سکتا۔ اس لیے زانی کے معاملے کو آخرت پر چھوڑ دیا گیا۔ پھر اُس عورت کا احساسِ ندامت اور ایمانی جرأت اِس پر دلالت کر رہے ہیں کہ اُس نے صدورِ جرم کے فوراً بعد یا ممکن عجلت کے ساتھ اس واقعہ کی اطلاع آنحضورؐ کے سامنے پیش کر دی ہوگی، اس لیے اس حمل پر (جو حملِ ناجائز تھا) ایک سو بیس دن ہرگز نہیں گزرے ہوں گے۔ اس عورت پر حدِّ شرعی کا نفاذ لازم و ناگزیر تھا اور اس خدا ترس عورت پر جو دن بھی گزرتا ہوگا وہ یقیناً روحانی یا ذہنی کوفت اور اذیت کا موجب ہوتا ہوگا۔ لیکن ہمارے ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موجودہ کمیٹی کے ارکان کی طرح یہ نہیں فرمایا کہ اس عورت کا جنین چونکہ ایک سو بیس دن کا نہیں ہے اس لیے قانونی اغراض کے لیے یہ بچہ تصوّر نہیں کیا جائے گا۔ پھر بچہ بھی ولد الزنا ہے۔ لیکن اس بچے کی ولادت اور اس کی رضاعت کے لیے سزائے رجم کو مؤخر فرما دیا۔ اس خاتون کی جان بچانے کا بھی کوئی سوال بیچ میں نہ تھا۔ اُس نے خود اپنی جان قربان کرنے کے لیے اپنے جسدِ فانی کو پاک کرنے اور حیاتِ جاودانی حاصل کرنے کے لیے اپنے تئیں پیش کر دیا تھا۔ اُسے اور آنحضورؐ کو اور ہر شخص کو معلوم تھا کہ آخر کار اس کو سنگسار کیا جائے گا۔ مگر آنحضورؐ نے اس بچے کو زندہ رکھنے کی خاطر دو ڈھائی سال کے لیے سزا کو ملتوی کر دیا، کیونکہ فعلِ زنا یا اقترارِ حمل میں اس بچے کی تو کوئی ذمہ داری یا قصور نہ تھا۔ قصور جو کچھ تھا زانی و زانیہ کا تھا۔ اس ایک واقعہ سے ہی یہ

ثابت و واضح ہو جاتا ہے کہ انسانی جان کی حرمت اسلام کی نگاہ میں کس حد تک ہے خواہ وہ بطنِ مادر ہی میں کیوں نہ ہو اور جو لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے افراد ہونے کے باوجود اس امت میں اسقاطِ حمل کا قانونی جواز فراہم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ خود کتنے بڑے جرم و ظلم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

ہم یہ جانتے ہیں اور ہماری بدنصیب آنکھیں یہ دیکھ رہی ہیں کہ ہمارے ہاں شراب نوشی بھی ہے عصمت فروشی بھی ہے، حمل بھی گرائے جاتے ہیں، عریاں رقص بھی ہوتے ہیں۔ رات دن قتل و غارت اور جان و مال پر دست درازی بھی ہوتی ہے۔ ان میں سے بہت سے جرائم کو تو پہلے ہی قانون کی آڑ ملی ہوئی ہے یا قانون نے ان کے سامنے آنکھیں میچ رکھی ہیں۔ اب کیا ان سارے جرائم و ذمائم کی "وسعت کم کرنے" کی آخری ترکیب بس یہی رہ گئی ہے کہ جرائم کی قانونی دفعات میں ان کے جواز کی شکلیں پیدا کی جائیں؟ ہم نے اخباروں میں پڑھا ہے اور پہلے بھی اخبارات میں یہ چیز مطالعہ میں آئی ہے کہ اسلامی مشاورتی کونسل ایک سابق فاضل چیف جسٹس صاحب کی صدارت میں برابر تعزیرات پاکستان اور ضابطۂ دیوانی و فوجداری وغیرہ کی دفعات کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر جانچ رہی ہے اور متبادل دفعات مرتب کر رہی ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اس ادارے کی سفارشات بھی پبلک یا اسمبلیوں کے سامنے آتیں اور جو سفارشات وزارت یہ کمیٹی پیش فرما رہی ہے ان کے متعلق بھی اس کونسل کی رائے معلوم ہو جاتی۔

(بقیہ رسائل و مسائل)

بلا واسطہ فرمان سے روگردانی کی، اگر وہ اللہ کا دشمن نہیں تو پھر معلوم نہیں اور کون ہوگا؟

۴۔ انسان کے گناہوں میں شیطان کے بہکانے کو بھی دخل ہے اور انسانی ارادے کو بھی۔ ظاہر ہے کہ شیطان کو جبر و اکراہ کی طاقت نہیں دی گئی ہے۔ وہ برائی کو محض خوشنما بنا کر انسان کے سامنے پیش کرتا ہے۔ لیکن انسان اس کے بالمقابل بالکل بے بس نہیں ہے۔ ایک انسان اس کی ترغیب کو قبول کرتا ہے، دوسرا ٹھکرا دیتا ہے۔